ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی
ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل
ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حدیثِ غزوۂ روم
ایک تحقیقی تجزیہ

وحیِ حدیث میں خاک سار راقم نے رویائے صادقہ کے ذریعے وحی الٰہی کے نزول کے باب میں اس پر مختصر بحث کی ہے، اس بحث میں رؤیائے صادقہ کے واسطے سے وحی الٰہی آنے سے زیادہ واسطہ رکھا گیا اور حدیث مذکورہ بالا کے دوسرے ابعاد و جہات سے تعرض نہیں کیا گیا کہ ان کا اس سے بہ راہِ راست تعلق نہ تھا۔ اس بحث میں امام بخاریؒ کی بیان کردہ تمام احادیثِ نبوی کا ذکر ضرور کیا گیا ہے کہ ان کے متون میں تھوڑا بہت اختلاف تھا اور بعض میں اضافات تھے، جو بہت قیمتی اور نادر تھے۔ صحیح مسلم کی احادیث نبوی اور ان کی شروحِ نووی کا صرف حوالہ ضروری معلومات کے ساتھ دیا گیا، مگر متون نہیں دیے گئے، تاکہ تکرار سے بچا جا سکے۔ حال آں کہ امام بخاریؒ کے طریقِ مکررات میں بالخصوص اور دوسرے محدثینِ کرام کے مکررات میں بالعموم بہت سی نئی معلومات اور متعدد قیمتی جہات ہوتی ہیں، اور وہ ان کو مکررات نہیں رہنے دیتیں، بل کہ نئی احادیث بنا دیتی ہیں۔(۱)

احادیثِ بخاری اور حوالہ جات مسلم کے علاوہ دوسری معتبر کتبِ حدیث سے بھی اس حدیث شریف کے متون نقل کر کے ان پر بحث نہیں کی گئی تھی کہ اس وحیِ حدیث کے مبحث خاص میں صرف رویائے صادقہ کے وحی ہونے کا اثبات کرنا تھا۔ اس مقالے میں حدیثِ غزوۂ روم کے

مختلف متون سے کچھ فنی اور کچھ واقعاتی اور کچھ تشریحی بحث و تمحیص کرنی مقصود ہے۔ صحت و قطعیتِ حدیث کے لیے صرف بخاری کی تخریج کافی ہے، کیوں کہ ان کو ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' اور ان کی کتابِ صحیح کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کا معتبر مقام حاصل ہے۔ امام بخاری کی ثقاہت و معتبریت کے تو منکرین بھی قائل ہیں۔ مزید تقویت و تصحیح کے لیے دوسری صحیح ترین کتاب صحیح مسلم میں اس حدیث کے متون کی موجودگی کافی ہوئی، لیکن صحیحین اس حدیث شریف کے اولین مآخذ نہیں ہیں۔ وہ دونوں اپنے اصلی ماخذ و سرچشمے کے مرہون منت ہیں۔

مؤطا امام مالک اولین ماخذ حدیث

صحیحین بالخصوص صحیح بخاری کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (احمد بن عبد الرحیم فاروقی، ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/ ۲۰ فروری ۱۷۰۳۔ ۲۹ محرم ۱۱۷٦/۱۷٦۲) کی تحقیق ہے کہ تمام فقہی ابواب میں وہ مؤطا امام مالکؒ بن انس (اصبحی مدنی، ۹۳/ ۷۱۱۔ ۱۷۹/ ۷۹۵) پر مبنی اور اسی سے مستفاد و مستفیض ہیں۔ شیخ محمد فواد عبد الباقی اور شیخ شنقیطی (محمد حبیب اللہ بن عبد اللہ، ۱۲۹۵/ ۱۸۷۸۔ ۱۳٦۳/۱۹۴۴) نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دونوں کتب حدیث مؤطا امام مالک کے دوسرے ابواب پر بھی کافی حد تک منحصر ہیں۔ حضرت شاہؒ نے صرف صحیحین کو نہیں، بل کہ بعد کی بیش تر کتبِ سنن جیسے ابو داؤد، نسائی اور جامع الترمذی کو بھی موطا ہی پر مبنی اور اسی کے مستخرجات قرار دیا ہے۔ وہ سب کتابیں اسی عظیم و اولین ماخذِ حدیث کے ارد گرد گھومتی اور اسی کا مواد پیش کرتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی بنا پر موطا امام مالک کو ''اصح الکتب'' قرار دیا ہے اور متعدد امامانِ حدیث و فقہ کا اس پر اتفاق بھی نقل کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد کے بعض امامانِ عالی مقام نے یہ بلند مقام صحیح بخاری کو دے دیا، مگر اس سے حضرت شاہ کو اتفاق نہیں ہے۔(۲)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حدیثِ غزوہ روم بنیادی طور سے موطا امام مالک سے ہی مستعار ہے۔ امامانِ عالی مقام نے بلاشبہ اس میں بعض اضافات بھی فرمائے ہیں اور وہ ان کی اپنی خاص سندوں سے کئی دوسرے رواۃ سے مروی ہیں۔ جن روایات و احادیث کو امام بخاری نے امام مالک سے لیا ہے، ان میں انہوں نے امام مالک کی سند کا پورا التزام کیا ہے۔ دوسری روایاتِ نو

میں امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے اپنے خاص رواۃ کی اسناد سے حدیث غزوۂ روم کے متون بیان کیے ہیں، ذیل میں ایک تفصیلی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

امام بخاری کی بنیادی حدیثِ غزوہ روم کا نمبر ہے: ۲۷۸۸۔۲۷۸۹، اور وہ ''کتاب الجهاد والسیر'' کے ''باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء'' میں آئی ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے امام مالک کی سند سے نقل کیا ہے اور اس کا متن یہ ہے:

حدثنا عبد اللّٰه بن يوسف عن مالك عن اسحاق بن عبد اللّٰه بن ابى طلحة عن انس بن مالك رضى اللّٰه عنه انه سمعه يقول: كان رسول اللّٰه يدخل على ام حرام بنت ملحان فتطعمه، و كانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت فدخل عليها رسول اللّٰه ﷺ فأطعمته و جعلت تفلى راسه، فنام رسول اللّٰه ﷺ، ثم استيقظ و هو يضحك، قالت: فقلت: و ما يضحكك يارسول الله؟ قال: ناسٌ من امتى عُرضوا علىّ غزاة فى سبيل الله، يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة، او مثل الملوك على الاسره، شك اسحاق، قالت: قلت: يا رسول اللّٰه! ادع اللّٰه ان يجعلنى منهم، فدعالها رسول اللّٰه ﷺ، ثم وضع رأسه، ثم استيقظ و هو يضحك، فقلت: و ما يضحكك يا رسول اللّٰه؟ قال: ناس من امتى عرضوا علىّ غزاة فى سبيل اللّٰه، كما قال فى الاول، قالت: فقلت: يا رسول اللّٰه! ادع الله أن يجعلنى منهم، قال: أنتِ من الأولين، فركبت البحر فى زمن معاوية بن ابى سفيان فصُرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت

امام بخاری کی یہ حدیث دو احادیث: ۲۷۸۸ اور ۲۷۸۹ کا مجموعہ ہے، مرتبین نسخہ نے وضاحت کی ہے کہ الاول کی جگہ ایک نسخے میں الاولیٰ ہے اور حدیث: ۲۷۸۸ کے دیگر اطراف ہیں: ۲۷۹۹، ۲۸۷۷، ۲۸۹۴، ۶۲۸۲ اور ۷۰۰۱، جب کہ دیگر حدیث: ۲۷۸۹ کے اطراف ہیں: ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۴، ۶۲۸۳ اور ۷۰۰۲، دونوں مذکورہ بالا بنیادی احادیث کے اطراف: ۲۷۹۹، ۲۸۰۰ کا ایک اور مجموعہ ہے، جو اسی کتاب میں ''باب فضل من

یصرع فی سبیل اللہ فمات فہو منہم'' میں ہے۔اسی طرح طرف: ۲۸۷۷، ۲۸۷۸ کا مجموعہ بھی اسی کتاب کے ''باب غزوہ المرأۃ فی البحر'' میں ہے۔ ۲۸۹۴، ۲۸۹۵ کا تیسرا مجموعہ اسی کتاب کے ''باب رکوب البحر'' میں ہے، حدیث: ۲۹۲۴ کا طرف اسی کتاب کے ''باب ما قیل فی قتال الروم'' میں ہے اور اس کا دوسرا طرف نہیں ہے۔ ۶۲۸۲ اور ۶۲۸۳ کا مجموعہ ''کتاب الاستیذان'' کے ''باب من زار قوما فقال عندہم'' میں ہے۔ اور ۷۰۰۱ اور ۷۰۰۲ کا مجموعہ پھر ایک ساتھ ''کتاب التعبیر'' کے ''باب رویا النہار الخ'' میں ہے۔

ان تمام مجموعوں اور انفرادی روایات میں امام بخاریؒ کی اپنی سند کے اختلاف کے علاوہ متون میں بھی فرق ملتا ہے۔ظاہر ہے کہ امام بخاری نے اپنی سند سے تمام روایات بیان کی ہیں اور ان کے رواۃ مختلف ہیں اور امام مالک کی روایات بھی اپنی خاص سندوں سے نقل کی ہے۔دوسری سندوں پر بات تھوڑی دیر بعد آتی ہے۔امام مالک کی احادیث کی سندیں اور ان کے متون کی تفصیل پہلے پیش کی جاتی ہے، جو حسب ذیل ہے:

۱۔اول مجموعہ ۲۷۸۸۔۲۷۸۹ کی سندِ بخاری ہے:

عبد الله بن يوسف عن مالك عن اسحاق بن عبد الله بن ابى طلحة عن انس بن مالك رضى الله عنه (۳)

۲۔مجموعۂ دیگر: ۶۲۸۲۔۶۲۸۳ بھی امام مالک کی روایت ہے اور اس کی سندِ بخاری ہے:

حدثنا اسمٰعيل قال: حدثنى مالك عن اسحاق بن عبد الله بن ابى طلحة عن انس بن مالك رضى الله عنه انه سمعه يقول......

۳۔آخری مجموعہ: ۷۰۰۱، ۷۰۰۲ بھی امام مالک کی روایت ہے اور اس کی سندِ بخاریؒ ہے:

حدثنا عبد الله بن يوسف اخبرنا مالك عن اسحاق بن عبد الله بن ابى طلحة انه سمع انس بن مالك يقول......

بقیہ مجموعہ اور روایات امام مالک کی روایات و احادیث نہیں ہیں اور امام بخاری نے ان کے علاوہ دوسرے سلسلۂ رواۃ سے لیے ہیں، جیسے:

۱۔۲۷۹۹۔۲۸۰۰: **حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنى الليث حدثنا يحيىٰ عن محمد بن يحيىٰ بن حبان عن انس بن مالك عن خالته ام حرام بنت ملحان**

قالت ......

۲۔۲۸۷۷۔۲۸۷۸: حدثنا عبد اللہ بن محمد حدثنا معاوية بن عمرو حدثنا ابو اسحاق هو الفزاری عن عبد الله بن عبد الرحمن الانصاری قال: سمعت انسا رضی الله عنه يقول......

۳۔۲۸۹۴۔۲۸۹۵: حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد بن زيد عن يحییٰ عن محمد بن يحییٰ بن حبان عن انس بن مالك رضی الله عنه قال: حدثنی ام حرام......

۴۔۲۹۲۴: حدثنی اسحاق بن يزيد الدمشقی حدثنا يحییٰ بن حمزة قال: حدثنی ثور بن يزيد عن خالد بن معدان ان عمير بن الاسود العنسی حدثه انه اتی عبادة بن الصامت، و هو نازل فی ساحة حمص، و هو فی بناء له و معه ام حرام، قال عمير: فحدثتنا ام حرام: انها سمعت النبی ﷺ يقول:

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی چھ احادیث غزوۂ روم کے بارے میں امام مالک سے لی ہیں اور بقیہ سات احادیث امام مالک کے علاوہ دوسرے سلسلۂ رواۃ کی ہیں۔

متون کا فرق

امام بخاریؒ کی ان تمام روایات واحادیث میں متون کا کچھ نہ کچھ فرق ضرور ملتا ہے۔ ان میں پہلے امام مالک کی احادیث کا تجزیۂ متون پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ امام مالک کی تمام احادیثِ غزوۂ روم کے متون کو نقل کیا جائے اور دوسری یہ کہ امام بخاریؒ کے متون میں ان کے اختلافات کی نشان دہی کی جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام مالک کی بنیادی حدیث غزوۂ روم کو صرف نقل کر کے بقیہ سے اس کے متن کے اختلاف کو دکھایا جائے۔ تیسری صورت زیادہ مناسب وموزوں لگتی ہے کہ اس میں اطناب وتکرار سے کسی حد تک بچ کر متن کے اختلاف وفرق واضح کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ امام مالک نے ''کتاب الرقاق'' کے ''باب فضل الجہاد فی البحر'' میں اس حدیثِ غزوۂ

روم کا متن حسب ذیل دیا ہے:

مالك عن اسحاق بن عبد اللّٰه بن ابی طلحة عن انس بن مالك قال: كان رسول اللّٰه ﷺ اذا ذهب الٰی قباء يدخل علٰی ام حرام بنت ملحان فتطعمه، و كانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت، فدخل عليها رسول اللّٰه ﷺ فاطعمته و جلست تفلی رأسه، فنام رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ثم استيقظ وهو يضحك، قالت، فقلت: ما يضحكك يا رسول اللّٰه ؟ قال؟ ناس من امتی عرضوا علیّ غزاة فی سبيل اللّٰه يركون ثبج هذا البحر ملوكا علی ا لاسرة او مثل الملوك علی الاسرة، يشك اسحٰق، قالت: فقلت: يا رسول اللّٰه! ادع اللّٰه ان يجعلنی منهم، فدعا لها، ثم وضع رأسه فنام ثم استيقظ وهو يضحك، قالت فقلت: يا رسول اللّٰه! ما يضحكك؟ قال: ناس من امتی عرضوا علیّ غزاة فی سبيل اللّٰه يركبون ثبج هذا البحر ملوكا علی الاسرة او مثل الملوك علی الاسرة، كما قال فی الأولیٰ، قال، قالت، فقلت: يارسول اللّٰه: ادع اللّٰه لی ان يجعلنی منهم، قال: انت من الاولين، قال: فركبت البحر فی زمان معاوية بن ابی سفيان فصرعت عن الدابة حين خرجت من البحر فهلكت (۴)

اسی سند سے یہی متن حضرت امام مالکؒ اپنی کتاب سير النبی ﷺ و اصحابه کے "باب ما اكرمه اللّٰه تعالیٰ باخبار المغيبات فكان كما اخبر" میں لائے ہیں۔ ان دونوں متون میں صرف دو فرق ملتے ہیں:

۱۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی درخواست دعا میں دونوں جگہ بعد کی روایت میں ادع اللّٰه لی ہے جب کہ اول الذکر میں "لی" ساقط ہے۔

۲۔ فصرعت عن دابتها مؤخر الذکر میں ہے اور اول الذکر میں فصرعت عن الدابة ہے۔ (۵)

مؤطا امام مالک کے متن سے امام بخاریؒ کے متون کا موازنہ نہ کرنے سے بہت سے فروق

وامتیازات نظر آتے ہیں۔ ہم بہ شکل نکات ان امتیازات کو ذیل میں درج کر رہے ہیں، پہلے اولین روایت بخاری: ۲۷۸۸۔ ۲۷۸۹ کا تجزیہ پیش ہے:

۱۔ روایت مالک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے صرف ''قال'' آیا ہے، جب کہ روایتِ بخاری میں ''انہ سمعہ یقول'' ہے۔

۲۔ روایتِ مالک میں یہ فقرہ ''اذا اذھب الیٰ قباء'' بہت اہم ہے، جو مقام روایت بتاتا ہے اور وہ اول روایتِ بخاری میں نہیں ہے۔

۳۔ مالک کی روایت میں ہے ''وجلست تفلی'' ہے، جب کہ روایتِ بخاری میں ''جعلت تفلی'' ہے۔

۴۔ مؤطا میں ''یشک اسحق'' ہے، جب کہ بخاری میں فعل ماضی ''شک اسحق'' ہے۔

۵۔ دوسرے رویا نبوی کے بارے میں موطا میں ''وضع رأسہ کے بعد ''فنام'' کی صراحت ہے، جو بخاری میں نہیں ہے۔

۶۔ دوسرے بیانِ نبوی میں رویائے صالحہ میں اول رویا کی پوری عبارت ہے، جو بخاری میں نہیں ہے اور اس میں ''فی سبیل اللہ'' کے بعد ہی ''کما قال فی الأولیٰ'' ہے۔ مزید یہ ہے کہ اس کے بعد راوی متاخر کا لفظ ''قال'' ہے، جو بخاری میں نہیں ہے۔

۷۔ روایت بخاری میں ۲۷۸۸، ۲۷۸۹ میں ''ادع اللہ'' کے بعد ''لی'' نہیں ہے، اول روایت مالک میں ہے۔

۸۔ روایت بخاری میں ''دابتہا'' ہے، جو دوسری روایت مالک کے مطابق ہے اور اول الذکر روایت ''الدابۃ'' کے خلاف ہے۔

حدیث بخاری ۲۶۸۲، ۲۶۸۳ جو ان کے شیخ اول اسماعیل کی سند سے مروی ہے، امام مالک کی روایت کے زیادہ قریب ہے، بل کہ وہ دوسری روایت مالک کے متن سے بالکل ملتی ہے، صرف اس میں دوسرے رویائے نبوی کے بارے میں متاخر راوی کا اضافی ادراج ''کما قال فی الأولیٰ'' نہیں ہے اور ''ادع اللہ'' کے بعد ''لی'' ساقط ہے۔ مرتبینِ گرامی نے اپنے زیریں حاشیے میں دوسرے ''نسخِ بخاری'' کے فروق کا بھی ذکر کیا ہے۔ بہ ہر حال مجموعۂ بخاری میں قبا جانے کا اہم جملہ موجود ہے۔

حدیثِ بخاری کا آخری مجموعہ ۲۰۰۷،۲۰۰۱ ان کی بنیادی حدیث غزوۂ روم کے مانند ہے اور روایاتِ مالک سے تمام مذکورہ بالا اختلافات رکھتا ہے۔

معنوی لحاظ سے روایاتِ بخاری حضرت امام مالک کی روایات کی پوری پیروی کرتی ہیں اور صرف ایک مقام پر اگر قبا جانے کا ذکر نہیں کرتیں تو دوسرے مقام پر کرتی ہیں، لہٰذا روایاتِ موطا کی بخاری میں شمولیت کو پوری طرح وفادارانہ کہا جا سکتا ہے۔ جہاں تک لفظی اختلافاتِ متون کا معاملہ ہے، ان کے بارے میں یہ وضاحت کی جاسکتی ہے کہ امام بخاریؒ کے اپنے خاص رواۃ نے اپنے بیان میں ان کو در آنے دیا ہے۔ ان میں سے بعض اختلافات تو زیادہ معنی خیز اور اہم نہیں ہیں، جیسے روایاتِ بخاری میں بعض الفاظ و اقوال کی کمی یا اسقاط یا بعض کی تبدیلی، جیسے ''جعلت تفلی'' جلست تفلی کی جگہ وغیرہ۔ کیوں کہ وہ املا و کتابت کی غلطیاں بھی ہوسکتی ہیں اور مختلف ''نسخ'' کے اختلافات بھی ہوسکتے ہیں، جیسا کہ بخاری کے مرتبین نے بعض مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے۔

معنوی اضافاتِ بخاری

غزوۂ روم سے متعلق احادیثِ امام مالک کے معانی وہی ہیں، جو بخاری میں ان مرویاتِ موطا کے ہیں۔ ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں، البتہ امام بخاریؒ نے موطا امام مالک کے علاوہ اپنی خاص اسناد و رُواۃ سے جن احادیث غزوۂ روم کا ذکر کیا ہے، ان میں خاصے معنوی اضافات ہیں، وہ اس غزوۂ اسلامی کے عظیم جہات کے علاوہ احادیث نبوی کے بہت اہم معانی کی ترسیل کرتے ہیں۔ اس سے قبل روایات موطا و بخاری کے مشترکہ معانی پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے، تا کہ ان کی قدر و قیمت و اطلاقات کا اندازہ ہوسکے اور بعض میں اضافاتِ بخاری کی قیمت بھی بیان کی جاسکے۔

مشترکہ معانی بہ طورِ نکات حسب ذیل ہیں:

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے قبا میں واقع گھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رویا یکے بعد دیگرے دیکھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ ہر سنیچر/ ہفتے کے دن قبا جاتے تھے اور صحابیہ موصوفہ کے گھر آرام فرماتے تھے۔

اول رویائے نبوی کے بیان کے بعد حضرت ام حرام کو بتایا کہ میری امت کے کچھ لوگ اس سمندر کے وسط میں بہ طور غازیان سبیل اللہ سمندر کا سینہ چیریں گے، اس سمندر کا نام اس میں نہیں ہے

اول رویا کے بعد حضرت ام حرامؓ کے لیے آپ ﷺ نے ان کی درخواست پر ان غازیوں میں ان کی شمولیت کی دعا کی۔

دوسرے رویائے نبوی میں بھی سمندر کا نام نہیں ہے، البتہ غازیوں کو ''غزاۃ فی سبیل اللہ'' کہا گیا ہے۔

دوسرے رویا کے بعد حضرت ام حرامؓ نے پھر ان میں شمولیت کی دعا کی التجا کی تو فرمایا کہ تم پہلے غازیوں میں ہوگی، یہ دوسرے (آخرین) غازی ہیں۔

حضرت ام حرامؓ نے ''زمنِ معاویہ بن ابی سفیان امویؓ'' میں اولین اسلامی بحری جہاد میں حصہ لیا اور واپسی میں اپنی سواری سے گر کر شہید ہوئیں۔

ان روایات کے در و بست سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ام حرام، حضرت عبادہ بن صامت کی بیوی کب بنی تھیں، ان میں ان کی زوجیت کا ذکر ان کے نام کے ساتھ ہے۔

معنوی اضافاتِ بخاری حسب ذیل ہیں:

حدیثِ بخاری: ۲۷۹۹، ۲۸۰۰، اور حدیثِ بخاری: ۲۸۷۷، ۲۸۷۸ کے مطابق اس سمندر کا نام ''البحر الاخضر'' (سبز سمندر/ دریا) لیا گیا ہے۔ دریا محض لغوی معنی میں دیا گیا ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے مصفیٰ کے فارسی ترجمے میں دیا ہے، حال آں کہ البحر سے مراد سمندر ہے اور وہی صحیح ترجمہ ہے۔

حضرت ام حرام کے مطالبۂ دعا پر یہ وضاحتِ نبوی ملتی ہے کہ تم اولین میں ہوگی اور آخرین میں نہیں ہوگی۔

ان کے بھانجے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مطابق حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے واقعۂ رویا کے بعد کسی وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے شادی کی تھی۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اولین اسلامی بحری جہاد پر جانے والے غازیوں کے ساتھ گئی تھیں۔

غزوے سے واپسی کے بعد جب وہ تمام غازیوں کے ساتھ شام واپس پہنچیں تو ان کے لیے ایک جانور قریب کیا گیا، تا کہ وہ اس پر سوار ہوں، مگر وہ بدک گیا، وہ گر گئیں اور انتقال فرما گئیں۔

وہ اس غزوۂ اولین میں "بنت قرظہ" کے ساتھ سمندر میں گئی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کے مطابق حضرت بنت قرظہ کا نام فاختہ رضی اللہ عنہا تھا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے والد کا نام قرظہ بن عمرو/عبد عمرو بتایا گیا ہے اور وہ خاندانِ بنو عبد مناف کے گھرانے بنو نوفل کے فرد تھے۔ اور ان کے بھائی حضرت مسلم بن قرظہ نوفلی قرشی رضی اللہ عنہ تھے، جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ واقعۂ جمل میں تھے اور اسی میں شہید بھی ہوئے۔

حدیث بخاری: ۲۸۹۴، ۲۸۹۵ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کی سماعت کا ذکر کیا ہے۔

اس میں رسول اکرم ﷺ کا دو بار یا تین بار۔ "مرتین اوثلاثا"۔ فرمانے کا ذکر خاص ہے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے اولین میں ہونے کا اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے بعد میں شادی کرنے کا بھی ذکر ہے۔

حدیثِ بخاری: ۲۹۲۴ حضرت عمیر بن اسود عنسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے بہ راہِ راست سنی تھی اور وہ اپنے معانی، جہات اور اطلاقات کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔

حضرت عمیر عنسی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے حمص شہر کے ایک مقام پر ملاقات کی اور حدیث سنی۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کا اولین لشکر، جو سمندر پر غزوہ کرے گا، اس نے واجب کرلیا: **اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا**

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان میں ہوں گی؟ فرمایا:

انتِ فیھم

تم ان میں ہوگی۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم

میری امت کا جو اولین لشکر قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا، ان سب کی مغفرت کر دی گئی۔
میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ان میں ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

حدیثِ بخاری: ۲۸۱۶ غزوۂ روم کے بارے میں ایک اور قیمتی بات بتاتی ہے۔ وہ حضرت محمود بن الربیع انصاری سے حضرت امام بخاریؒ نے اپنے شیوخ و رُواۃ سے لی ہے۔ حضرت محمود رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ حرام کر دی ہے، جو اللہ کی خوشنودی و رضا کے لیے ہی لا الٰہ الا اللہ کہے۔ حضرت محمود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

قال محمود: فحدثتها قوما فيهم ابو ايوب صاحب رسول الله ﷺ، في غزوة التي توفي فيها، و يزيد بن معاوية عليهم بارض الروم......(٦)

میں نے یہ حدیث ایک قوم کے سامنے بیان کی، جس میں حضرت ابوایوب، صاحبِ رسول ﷺ بھی تھے اور یہ اس غزوہ کا موقعہ ہے، جس میں انہوں نے وفات پائی او ران کے سالار یزید بن معاویہ ارضِ روم کے اس غزوے میں تھے۔

غزوۂ روم کی احادیثِ مسلم

امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الامارۃ، باب فضل الغزو فی البحر میں احادیث غزوۂ روم نقل کی ہے۔ ان میں سے ایک ان کے شیخ یحییٰ بن یحییٰ کی سند سے حضرت امام مالک سے مروی ہے، جو انہوں نے امام موصوف کے سامنے پڑھی تھی۔ یہ دراصل شیخ موصوف کے امام مالک سے ان کی موطا کی قراءت وسماعت کا واقعہ ہے، جیسا کہ شیوخ بخاری میں سے بعض کا تھا۔ اول حدیث مسلم: (۴۹۳۴) ۱۶۰۔ (۱۹۱۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتی ہے اور روایت مالک کے مطابق ہے۔ اس میں چند اختلافات لفظی ضرور ہیں، جیسے:

۱۔ "**فدخل عليها رسول الله**" کے بعد "**يوما**" کا اضافہ ہے جو روایت مالک و حدیث بخاری دونوں میں نہیں ہے۔

۲۔ "**ثم جلست تفلي رأسه**" میں "ثم" واو کی جگہ ہے اور روایت مالک کے مطابق اور

بخاری کے لفظ بعلت کے خلاف ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں راوی اسحاق کے نام کا ذکر نہیں ہے اور اس کی جگہ "یشك ایھما قال" کا فقرہ ہے، جو دونوں سے مختلف ہے۔

۴۔ روایتِ بخاری کی طرح دوسرے رویا کے بیان میں "یرکبون...... علی الاسرة" کا جملہ نہیں ہے، جو روایت مالک میں ہے۔ اسی طرح اس میں "ادع اللّٰه" کے بعد "لی" نہیں ہے۔

۵۔ بعد کے اضافۂ حضرت انس میں فرکبت کے بعد ام حرام کا اضافہ ہے۔ "بن ابی سفیان" ساقط ہے، الدابة کی جگہ دابتھا ہے، جو دوسری روایت موطا میں ہے۔

دوسری حدیثِ مسلم (۴۹۳۵) ۱٦۱۔ (......) ان کی اپنی سند سے ہے اور موطا سے ماخوذ نہیں ہے:

حدثنا خلف بن هشام، حدثنا حماد بن زید، عن یحییٰ بن سعید، عن محمد بن یحییٰ ابن حبان، عن انس بن مالك عن ام حرام و هی خالة انس بن مالك قالت: اتانا النبی ﷺ، فقال عندنا، فاستیقظ وهو یضحك، فقلت: ما یضحکك یا رسول اللّٰه؟ بابی انت و امی، قال: أریت قوما من امتی یرکبون ظهر البحر، کالملوك علی الاسرة قلت: ادع اللّٰه ان یجعلنی منهم، قال: فانك منهم، قالت: ثم نام، فاستیقظ ایضا و هو یضحك، فسألته، فقال: مثل مقالته، فقلت: ادع اللّٰه ان یعجلنی منهم، قال: انت من الاولین.

قال: فتزوجها عبادة بن الصامت بعدُ، فغزا فی البحر فحملها معه، فلما ان جاء ت قربت لها بغلة فرکبتها فصرعتها، فاندقت عنقها

تیسری حدیث مسلم (۴۹۳٦) ۱٦۲۔ (......) ہے:

و حدثنا محمد بن رمح بن المهاجر و یحییٰ بن یحییٰ (قالا) اخبرنا اللیث عن یحییٰ بن سعید، عن ابن حبان، عن انس بن مالك، عن خالته ام حرام بنت ملحان قالت: نام رسول اللّٰه ﷺ یوماً قریباً منی، ثم استیقظ یتبسم، قالت: فقلت: یا رسول اللّٰه! ما اضحکك؟ قال: ناس

من امتی عرضوا علیّ، یرکبون ظهر هذا البحر الاخضر، ثم ذکر نحو حدیث حماد بن زید

چوتھی حدیث مسلم(٤٩٣٧)(......) کا سیاق ہے:

و حدثنا یحییٰ بن ایوب و قتیبة و ابن حجر قالوا: اخبرنا اسماعیل و هو ابن جعفر عن عبد اللّٰه بن عبد الرحمن: انه سمع انس بن مالك یقول: اتی رسول اللّٰه بنت ملحان، خالةً لانس، فوضع رأسه عندها، و ساق الحدیث بمعنی حدیث اسحاق بن ابی طلحة و محمد بن یحییٰ بن حبان

ان چاروں احادیث مسلم کا موازنہ احادیث بخاری سے کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ چند الفاظ، فقروں اور جملوں کی تبدیلی، جو بہت معمولی ہے، دوسری حدیث مسلم میں کافی قیمتی معنوی اضافے ہیں۔ اس میں اختصار بھی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ سے بعد میں شادی کی تھی اور بہ وقتِ روایت وسماعتِ نبوی وہ ان کی زوجہ نہیں تھیں، اس میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ وحضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے زمانے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ان کی سواری کی وضاحت "بغله" سے کی گئی ہے، جو مزید وضاحت کرتی ہے۔ بقیہ دونوں احادیثِ مسلم میں حضرت امام نے خود وضاحت کر دی ہے کہ تیسری حدیث حماد بن زید کے مطابق اور چوتھی اسحاق بن ابی طلحہ اور محمد بن یحییٰ بن حبان کے سیاق کے مطابق ہیں۔ وہ امام بخاری کے مذکورہ بالا مجموعوں کے مطابق ہیں۔ (٧)

جامعِ ترمذی کی حدیثِ غزوۂ روم "کتاب فضائل الجہاد" کے "باب ماجاء فی غزو البحر" میں ہے اور حدیث کا نمبر ہے: ١٦٤٥۔ امام ترمذی نے وہ دو شیوخ کے واسطے سے امام مالک کی موطا اور ان کے رواۃ سے لی ہے: **حدثنا اسحاق بن موسیٰ الانصاری: حدثنا معن: حدثنا مالك عن اسحاق بن عبد الله بن ابی طلحة، عن انس (بن مالك) انه سمعه یقول**...... پوری روایت موطا ہے، البتہ اس میں بعض لفظی اختلافات ہیں، جیسے "**فاطعمته و حسبته تفلی رأسه**" ہے، دوسرے رویا کے بعد کا جملہ ہے: "**نحو ما قال فی الاول**" وغیرہ۔ امام موصوف نے اس کو "حدیث حسن صحیح" قرار دے کر وضاحت کی ہے کہ ام حرام بنت ملحان

رضی اللہ عنہا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی خالہ تھیں۔(۸)

شروحِ حدیثِ غزوۂ روم

موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث کے شارحین کرام نے اس حدیث کی اپنی اپنی شروح پیش کی ہیں۔ ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شروحِ احادیث بخاری مختلف کتب وابواب میں بہت جامع ومانع ہیں، معنوی اضافاتِ بخاری کے ضمن میں ان میں سے بعض کا ذکر آ بھی چکا ہے۔ ذیل میں اب خاص مباحثِ عسقلانی پیش کیے جاتے ہیں، کیوں کہ اس حدیثِ نبوی اور اس عظیم الشان واقعۂ اسلامی کی صحیح اور کامل تفہیم ان ہی پر مبنی ہے، اگر چہ ان سب سے اتفاق ضروری نہیں ہے، جیسا کہ متعدد دیگر شارحین علما نے کہا ہے، حتی کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اس بابت میں تحفظاتِ ذہنی رکھتے ہیں۔

روایت کے اعتبار سے حدیثِ غزوۂ روم مشہور کے درجے سے بلند تر ہو کر تواتر کے عالی ترین مقام پر فائز ہے، بخاری میں اس کے تیرہ طرق ہیں اور وہ اپنی اسانید، رواۃ اور شہرتِ عام کے لحاظ سے ایک متواتر حدیث بن جاتی ہے۔ حال آں کہ تکنیکی لحاظ سے وہ صرف ایک صحابیہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ ہیں اور ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اخذ کی تھی۔ اس طرح عالی ترین سند میں دو صحابہ کرام سے مروی کہی جاسکتی ہے۔ امکان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بہ راہِ راست رسول اکرم ﷺ سے بھی سماعت یا روایت خالہ محترمہ کی تصدیق کی ہو، جیسا کہ بالعموم طریق صحابہ تھا اور اس کی تصدیق حدیث حضرت محمود رضی اللہ عنہ بھی کرتی ہے۔ بعد کے طبقاتِ رواۃ میں ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ امام بخاری کے شیوخ سے زیادہ امام مسلم کے شیوخ ہیں اور ان میں ایک اہم چیز یہ مشترک ہے کہ وہ باجماعت روایت کرتے ہیں۔

ترسیل وشہرت کے معاملے میں روایات میں ایسا کوئی عندیہ نہیں ملتا، جو اس روایت حضرت ام حرام بنت ملحان خزرجی رضی اللہ عنہا کا وقت مقرر کرتا ہو۔ اس موضوع پر جلیل القدر محدثین و شارحینِ کرام نے بھی کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے

اس حدیث مبارک کو سننے کے بعد ہی فوراً اس کی ترسیل کی تھی، کیوں کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے دو رویائے صادقہ سے متعلق حدیثِ وحی ہونے کے علاوہ خود راویہ صادقہ رضی اللہ عنہا کی بشارت و مغفرت کی پیش گوئی بھی کرتی تھی اور ضمانت بھی فراہم کرتی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ رسالت مآب کا فرمان تھا اور من جانب اللہ تھا، اس میں ان کی انفرادی بشارت اور شخصی مغفرت کے علاوہ امتِ مرحومہ کے تمام مجاہدین کے لیے بھی بشارت و مغفرت کی ضمانت دی گئی تھی، لہٰذا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے اس کی ترسیل روایت کی اور ان کے راوی بھانجے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کی اشاعت کی۔

اختلاف و اضافۂ معانی کا مسئلہ

منکرینِ حدیث بالعموم اور دوسرے ناقدین بالخصوص ایک معنی و مفہوم کی حدیث کے مختلف سیاقات وطرق کو دیکھ کر اس کو اندرونی اختلاف و تضاد سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسی تمام احادیثِ نبوی کو مجروح قرار دے کر مسترد کرتے ہیں، ان کے نقد و رد سے اس لیے زیادہ بحث نہیں کہ وہ پہلے سے ہی اپنے ذہنوں میں حدیث شریف کے بارے میں تعصبات رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا طریقہ معروضی نہیں ہوتا، جانب دارانہ ہوتا ہے اور وہ مقصد کے لحاظ سے بھی ایمان دار نہیں ہوتے۔ ان کے اعتراضات و تنقیدات کا جواب متعدد ماہرین فن نے ہر زمانے میں کیا ہے اور اس موضوع پر وسیع ادب موجود ہے۔

مسئلہ اصل میں اس وقت گھمبیر بن جاتا ہے، جب اہلِ صلاح و تقویٰ بھی اختلافات کو تضادات سمجھ لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو فنِ حدیث کے ماہر نہیں ہوتے اور ان کی فنی کم زوری ان کے تفہیم و تشریحِ حدیث میں مانع بن جاتی ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو خاص علمی تحفظات اور تاریخی تعصّبات اور عقیدہ و فکر کے خاص میلانات رکھتے ہیں، جو حارج بن جاتے ہیں۔ حدیثِ غزوۂ روم کے بارے میں مسلم مفکرین اور علما اور تاریخ دانوں کا ایک طبقہ ایسے ہی خاص میلانات کا شکار ہے اور وہ اموی خلافت، اموی خلفا و مجاہدین اور اموی عمال کے بارے میں اپنے خاص ذہنی تحفظات کے سبب فیصلے کرتا ہے۔

ایک خیال و فکر بھی اس صحیح تفہیم احادیث کی راہ میں روڑا بن جاتا ہے اور وہ ہے، راویوں

کے بارے میں روایت بالمعنی کا خیال ونظریہ۔ بلا شبہ روایت بالمعنی ایک حقیقت ہے اور صحابہ کرام سے بعد کے طبقاتِ حفاظ ومحدثین تک وہ جاری بھی رہی، لیکن روایت بالمعنی کا مفہوم یہ ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ راویانِ کرام جان بوجھ کر الفاظ ومعانی حدیث بدل دیتے تھے۔ وہ الفاظِ رسول ﷺ کی حفاظت اپنی جان وایمان کی طرح کرتے ہیں اور ان کو بعینہٖ روایت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ راوی اور راویانِ حدیث اپنی ترسیل میں کسی خاص نقطے یا فقرہ یا جملے کے اختلاف کے بارے میں اپنے شک کا اظہار کردیتے تھے کہ اصل روایت میں یہ لفظ، فقرہ یا جملہ تھا یا یہ اور اس کے لیے ''شک/ یشک'' کے فعل کا ان کے نام کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا، جیسا کہ حدیثِ غزوۂ روم: ۲۷۸۸، ۲۷۸۹ میں حضرت اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملتا ہے کہ اصل حدیث نبوی میں "ملوكاً على الاسرة" تھا یا "مثل الملوك على الاسرة" تھا۔ ان کی احتیاط وضبط کا یہ حال تھا، حال آں کہ اس سے معانی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔

روایت بالمعنی سے متعلق ایک اور اہم بات بالخصوص اسی حدیثِ غزوۂ روم کے بارے میں کہنی ضروری ہے۔ موطا امام مالک کی احادیث غزوۂ روم ہوں یا بخاری ومسلم میں ان کی وجوہ و طرق، ان سب میں صرف اس ایک فقرے میں راوی دوم کے شک اور ایک دو الفاظ کی تبدیلی یا اسقاط کے سوا اور کوئی فرق واختلاف نہیں ملتا ہے اور یہ اختلاف معنی پر ذرا اثر انداز نہیں ہے۔ حال آں کہ امام مالکؒ اس کے تیسرے طبقے کے راوی ہیں اور امام بخاری کے سلسلۂ سند میں ایک اور درمیانی راوی کا اضافہ ہوجاتا ہے، مالک کی روایاتِ بخاری میں سے دو میں حضرت اسماعیل شیخِ بخاری ہیں اور چار میں عبداللہ بن یوسف سے ان کو یہ روایات ملی ہیں، جب کہ مسلم میں چار او ر پانچ شیوخ کے واسطے ہیں اور ترمذی میں بھی یہی صورت ہے۔ اس کے ساتھ ان کی تعداد آخری طبقے میں بڑھ جاتی ہے۔

موطا مالک کے سوا خاص احادیث بخاری ومسلم ہیں، سلاسلِ سند مختلف ہیں اور ان میں سے بھی بعض میں کسی راوی کے شک کی وجہ سے ایک آدھ لفظ یا فقرہ بدلا ہے، ورنہ پوری حدیثِ نبوی الفاظ ومعانی دونوں کے لحاظ سے بلا اختلاف ہے۔ ان خاص احادیث بخاری میں الفاظ راوی/ رواۃ کا خاصا فرق ملتا ہے، جو ان کو روایت بالمعنی کے طبقے/ زمرے میں ضرور لے جاتا ہے۔ لیکن اس روایت بالمعنی میں بھی بنیادی معنی یک ساں ہیں۔ راوی اول یا راوی دوم وسوم کے الفاظ میں

اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے، وہ بلاشبہ راوی اول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے الفاظ و تعبیرات کا فرق ہی ہے، کیوں کہ بعد کے رواۃ تبدیلی کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں بیانیے کے الفاظ کا اختلاف اگر ہے بھی تو یہ بتاتا ہے کہ راوی اول نے اس حدیث شریف کو بار بار بیان کیا تھا اور ان کے بیان مسلسل و متواتر میں بیانیۂ عبارت کا اختلاف آتا گیا، جو فطری ہے کہ بسا اوقات راوی کو واقعے و معاملے کے بیان میں بعض تفصیلات و جزئیات یاد آجاتی ہیں اور وہ ان کا اضافہ کر دیتا ہے یا وہ جزئیات اہم نہیں لگتیں تو ساقط کر دیتا ہے۔ احادیث بخاری: ۲۷۹۹، ۲۸۰۰ میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا بیان: "نام النبی ﷺ یوما قریباً منی، ثم استیقظ یتبسم" وغیرہ اسی قبیل کا ہے۔ اسی طرح اس مجموعے یا بعد کے مجموعے: ۲۸۷۷، ۲۸۷۸ میں "البحر الاخضر" کی وضاحت بھی اسی طرح کی ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں بعض اور بھی بیانی اختلافات یا تبدیلیاں ہیں، جو حدیثِ نبوی کے اختلاف سے زیادہ راوی/ راویہ کے بیانیے کی گونا گونی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان میں حدیث نبوی کا واقعہ بننے کے متعلق بیاناتِ راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بہت خاص اضافات ہیں، جو راویہ اول کے نہیں ہیں، بل کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مشاہدے کی عطایا ہیں۔ یہی صورت حال احادیث مسلم میں نظر آتی ہے، جب کہ حدیث ترمذی شریف صرف موطا مالک پر منحصر ہونے کے سبب صرف معمولی، مگر بعض نئے اختلافات رکھتی ہے، ان میں اختلاف، نسخ اور کتابت کی غلطی کا بھی حصہ ہو سکتا ہے۔

خاص الفاظ و تعبیرات رسول اکرم ﷺ، یعنی حدیث شریف کے الفاظ کے اختلافات کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں: ایک راوی/ راویہ اول کے یاد، حفظ وضبط کے سبب اختلافات در آئے، یعنی ان کو وہ الفاظ و تعبیرات مختلف اوقات میں یاد آئیں اور انہوں نے ان کو اپنے بیانیۂ حدیث میں اس یاد کو شامل کر دیا، جیسا کہ "یرکبون ثبج هذا البحر" اور "یرکبون البحر الاخضر فی سبیل اللّٰہ" کے اختلافات و تعبیرات معلوم ہوتا ہے۔ ایسے بعض اور بھی تعبیر و ترسیل کے اختلافات ان متون میں ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ روایت بالمعنی کی دوسری بہت سی مثالیں حدیث کے ذخیرے میں پائی جاتی ہیں۔ (۹)

دوسری وجہ بہت اہم ہے اور اس کی طرف بالعموم کم توجہ دی گئی ہے، اگرچہ جستجو سے زیادہ کا

سراغ مل سکتا ہے اور وہ ہے بہ نفس نفیس رسول اکرم ﷺ کی اپنی حدیث وسنت کی بار بار ترسیل و ارشاد کی بنا پر گونا گونی ورنگارنگی، عام طور پر یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث صرف ایک بار بیان فرمائی، یا اپنی ایک سنت کے بارے میں ایک ہی بار ارشاد فرمایا اور پھر کبھی اس کے بارے میں کلام فرمایا اور نہ اس کا اعادہ یا ترسیل مکرر فرمائی۔ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے عام طریقے یا عادت کے خلاف ہے، رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں احادیث میں وضاحت آتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی حدیث، ارشاد، سنت، بات کو لوگوں کے سامنے، انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے کئی بار ارشاد فرماتے تھے اور مجمع میں تو ایک ہی بات کو تین تین بار ارشاد فرماتے تھے، تا کہ سب لوگ اسے سن لیں۔ بہت سے گونا گوں مضامین و معاملات پر مشتمل احادیث بالخصوص اذکار و عبارات وغیرہ سے متعلق سنن واحادیث کے بارے میں یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو بار بار مختلف صحابہ کرام سے مختلف الفاظ وتعبیرات کے ساتھ بیان کیا تھا، اسی بنا پر سنن کا تنوع اور احادیث کی گونا گونی نظر آتی ہے، بل کہ یہ تنوعِ حدیث وسنت، تعلیم نبوی کا ایک عظیم حکیمانہ پہلو ہے۔ لہٰذا حدیث/ احادیثِ غزوۂ روم کے بارے میں امکان واحتمال ہی نہیں، بل کہ یقین وایقان ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بات کو مختلف تعبیرات اور رنگارنگ بیانات کے ساتھ پیش فرمایا تھا، جیسے اختلافات وتضادات سمجھ لیا گیا۔

معنوی اطلاقاتِ حدیثِ روم

اولین اسلامی بحری جہاد اور قیصرِ روم کے شہر پر اول غزوہ، دو مختلف واقعاتِ تاریخ اسلامی ہیں۔ ان دونوں واقعاتِ مابعد کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں غالباً مدنی دور کے وسط میں پیش گوئی فرمائی تھی۔ وہ محض زبانی فراست نبوی یا دوررس نگاہِ رسالت مآب ﷺ پر مبنی پیشین گوئی نہیں تھی، بل کہ رویائے صالحہ کی شکل میں وحی الٰہی پر مبنی بھی تھی۔ ان میں سے اولین رویا کے اطلاق و واقعہ میں اولین بحری مجاہدین اسلام کے ساتھ حضرت ام حرام بنت ملحانؓ بھی شامل تھیں۔ دوسرے رویائے صادقہ کے اطلاق و واقعہ میں وہ شریک نہ تھیں اور وہ مدینۂ قیصر پر یا دوسرا اسلامی بحری جہاد وغزوہ تھا۔

محدثین کرام نے تاریخی واقعات کی مدد سے ان دونوں اسلامی غزوات کی توقیت کرنے کی

اپنی اپنی کوشش کی ہے۔ مؤرخین اسلامی اور علمائے کرام نے بھی ان دونوں پیش گوئیوں کے اطلاقات کے بارے میں اپنے اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ ان کے دو مختلف مکاتبِ فکر یا نقاطِ نظر ملتے ہیں:

۱۔ ایک طبقہ محدثین و مؤرخین و علما کا خیال ہے کہ اولین اسلامی بحری جہاد حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ خلیفہ سوم کے زمانے میں واقع ہوا، جب والئی شام حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہما نے امیر المؤمنین کے حکم و منشا سے اولین اسلامی بحری فوج/ بیڑا ترتیب دیا اور بہ طور امیر البحر اول اس کی کمان کی اور بحر اخضر یا بحر روم کی وسعتوں کو روند ڈالا۔ امام نووی کی تشریح کے مطابق "**اكثر اهل السير و الاخبار**" کا یہی خیال ہے۔

۲۔ دوسرا طبقۂ محدثین و علما خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں واقعات و جہادات خلافتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئے تھے، کیوں کہ حدیث/ بیان انس بن مالک رضی اللہ عنہ میں حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی شرکت جہاد و شہادت کا واقعہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا تھا اور اس کی صراحت "**زمن معاويه/ زمن بن ابى سفيان**" سے کی گئی ہے۔ محدثین کی اکثریت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق اس خیال کی ہم نوا ہے، کیوں کہ "**زمن معاويه**" سے ولایت و گورنری معاویہ مراد لینا محال ہے اور وہ لامحالہ حضرت معاویہ کی خلافت کا واقعہ ہے۔ امام نووی کے مطابق: "**بل كان فى خلافته: قال: و هو اظهر فى دلالة قوله فى زمانه**"۔

اولین اسلامی بحری جہاد میں حضرت ام حرام بنت ملحان خزرجی رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت بنت قرظہ اہلیہ حضرت معاویہ بھی شریک تھیں۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بہ ہر حال اپنے شوہرِ گرامی کے ساتھ ہی شریک جہاد رہی تھیں، جیسے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہرِ نام دار حضرت عبادہ بن صامت خزرجی رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب رہی تھیں۔ کسی دوسرے محرم کے ساتھ حضرت فاختہ بنت قرظہ رضی اللہ عنہا کا جانا امکان تو رکھتا ہے، مگر واقعیت کے خلاف ہے۔ یہ تقریباً حتمی بات ہے کہ وہ اپنے شوہر گرامی قدر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت و ہم رکابی میں شریکِ جہاد تھیں اور ان کے شوہر عظیم اولین اسلامی بحریہ کے امیر اور امیر البحر بھی تھے۔

تاریخ اسلامی، بالخصوص تاریخ جہادِ اسلامی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۂ سوم حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑے کی قیادت کی تھی اور بحرِ روم/ بحر اخضر میں وہ غالباً ایک سے زیادہ بار جہاد کے لیے گئے تھے، لیکن اپنی خلافتِ اسلامی کے زمانے میں ان کی بحری فوجی کارکردگی یا امیر البحری کا ذکر نہیں ملتا، بل کہ دوسرے امراء البحر مقرر ہوئے تھے۔ مؤرخینِ اسلامی میں سے متعدد نے بالخصوص طبری نے حضرت معاویہ کی خلافت کے بیس سالہ عہد کے تمام بحری جہادوں کا سالانہ گوشوارہ مرتب کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہر سال گرمی اور سردی اور بری و بحری تمام جہادوں اور غزووں میں کون کون امیر البحر تھا اور کون امیر البر تھا اور کس صحابی یا تابعی نے بہ یک وقت امیر البری اور امیر البحری کی خدمات دو مختلف مواسم میں انجام دی تھیں۔

اس تاریخی واقعیت یا مؤرخانہ تحقیق و تدقیق کے بعد بہ ہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولین اسلامی بحری جہاد کا شرف خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر بندھتا ہے، اگر چہ امیر البحری کا شرف اور پیش گوئی کا اطلاق اولین امیر البحر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ہی ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بعض بزرگ تر اور پیشرو محدثین و شارحین کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت کا باب و ثبوت ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ ارشادِ نبوی ہے۔ بہ ہر حال جہاں تک شرفِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سوال ہے تو وہ انہیں حاصل ہے، خواہ وہ ان کی امارتِ شام کا معاملہ ہو، خواہ ان کی خلافت کا۔ محدثین کرام نے بہ ہر کیف ان کے ان اقدامات کو اسلامی قرار دیا ہے اور اس سے بڑھ کر ان فوجی بحری کارروائیوں کو جہاد فی سبیل اللہ اور ان میں شریک مجاہدین کو غزاۃ فی سبیل اللہ زبانِ نبوی نے قرار دیا ہے۔

خاص غزوۂ روم

ایک تاریخی واقعہ اور سلسلۂ جہادِ اسلامی کا شذرہ یہ تھا کہ خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اولین بحری جہاد کے بعد سے مسلسل بحری غزوات ہوتے رہے اور دوسری طرف خشکی کے راستے سے مجاہدین اسلام روم کے شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ ان تمام مساعی جلیلہ میں خلل صرف خلافت چہارم میں پڑا تھا، جب مسلمان آپس میں خلافت کے مسئلے اور خلیفہ سوم کی الم ناک شہادت کے معاملے پر سیاسی اختلافات کے سبب مختلف طبقات میں بٹ گئے تھے اور اس اندرونی کش مکش کے زمانے میں غزواتِ رومی کے دونوں بری و

بحری محاذوں پر تعطل پیدا ہو گیا تھا اور جہاد رک گیا تھا۔

خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے استحکام کے ساتھ اس سلسلۂ جہاد کو وہیں سے جوڑ دیا گیا، جہاں سے وہ خلافتِ خلیفہ سوم کی شہادت کے سال توڑا گیا تھا۔ امام طبری وغیرہ نے ۴۱ھ/ ۶۶۱ء سے اواخرِ خلافت معاویہ تک سالانہ جہاد کی تفصیل دی ہے، اس پر تفصیل سے کہیں اور بحث کر چکا ہوں اور اس کو یہاں دہرانا ایک طویل کلام اور اطناب کا باعث ہوگا، لہٰذا نظر انداز کرتا ہوں۔ البتہ یہ نکتہ ضرور سامنے لانا چاہتا ہوں کہ اس مسلسل جہاد اور متواتر سالانہ رومی غزوات کا ایک مہتم بالشان واقعہ وہ ہے، جسے اولین غزوۂ روم کہا جاتا ہے اور جس کی پیش گوئی رسول اکرم ﷺ کی احادیث غزوۂ روم میں کی گئی ہے۔ (۱۰)

اموی سلسلۂ غزوات کے دسویں مرحلے میں ۵۰ھ/ ۶۷۰ء میں خلیفۂ وقت حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ نے بہ قول طبری و جمہور اہل سیر اور ۵۲ھ/ ۶۷۲ء میں بہ قول حافظ ابن حجر عسقلانی و دیگر محدثین کرام حسبِ دستور ایک عظیم الشان لشکر بری راستے سے بھیجنے اور بلادِ روم فتح کرنے کے لیے اپنے فرزند اکبر یزید بن معاویہ اموی کی سالاری میں روانہ کیا۔ صحابہ کرام اور مجاہدین اسلامی کی ایک بڑی تعداد نے اس میں بطور خاص شرکت کی، جیسے کہ وہ اس سے قبل کرتے رہے تھے۔ اس موقع پر غالباً لشکر اسلامی کی کامل تیاری اور جلالت و عظمت کے سبب زیادہ صحابہ نے شرکت کی۔ ان میں سے شاید سب سے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ایوب انصاری (خالد بن زید خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ) تھے، جو رسول اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں اولین میزبان بھی رہے تھے اور سب سے بزرگ تھے۔ غالباً ان کی فراست نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ یہ لشکرِ جرار شہر قیصر، قسطنطنیہ کی فصیل کی دیواروں سے جا ٹکرائے گا اور اولین غزوہ بر شہرِ قیصر کا مصداق بنے گا۔

تاریخ اسلامی کی یہ گتھی سلجھنے میں نہیں آتی کہ خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ سے بلادِ روم پر فوج کشی ہوتی رہی تھی اور خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں خلیفہ گرامی کی شہادت اور فوجی منصوبہ بندی نے بری و بحری دونوں راستوں سے رومی جہاد کو سالانہ یا بہ الفاظِ بہتر مسلسل و متواتر جہاد بنا دیا تھا، مگر کسی پہلے لشکر کے نصیب میں شہر قیصر پر حملہ آور ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ فوجی منصوبہ بندی چاہے جتنی کامل و جامع ہو اور سالارِ لشکر چاہے جتنے ماہر و عظیم ہوں، کسی خاص علاقے و شہر کی فتح یقینی نہیں ہوتی، بالخصوص اس صورت میں جب جغرافیائی مشکلات کے سبب مدتوں سے بہت سے

جیوش اور سالار ہدف پر نشانہ لگانے کی کوششیں کرتے رہے ہوں۔ چالیس کے پورے عشرے میں افواجِ اسلامی اور ان کے سالارانِ لشکر دونوں کا جاہ وجلال کچھ کم نہ تھا اور ان میں سے بعض تو صحابہ سالاران جلیل تھے اور بعض خلافتِ عثمانی سے مسلسل تگ وتاز کر رہے تھے، مگر شہر قیصر تک کوئی نہ پہنچ سکا۔

۵۰ھ/۶۷۰ء میں امیر یزید بن معاویہ اموی کی قیادت میں جانے والے لشکرِ اسلامی کا نصیبہ ہی اور تھا، لہٰذا وہ نبوی پیش گوئی کا مصداق بنا اور اس کے تمام شرکا کو مغفرت کی بشارت نبوی پوری ہوئی۔ یہ خاص انعامِ الٰہی تھا۔ اس کے سوا اور کوئی توجیہ کرنی مشکل ہے، کیوں کہ اس لشکرِ اسلامی سے پہلے اور اس کے بعد تو صدیوں تک شہر قیصر پر حملہ نہیں ہوا، حال آں کہ پورے اموی دور میں اس کی برابر کوششیں ہوتی رہیں اور عباسی خلفا اور ان کے جانشینوں نے بھی فتحِ قسطنطنیہ کی تمام سعی کی اور پورے سات سو سال بعد ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء میں ترکی عثمانی خلافت کے حکم راں محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کا شرف پایا، لیکن وہ اولین غزوۂ شہر قیصر کی بشارت نبوی کے مصداق نہیں تھے۔

اس ٹھوس تاریخی واقفیت کی واضح پس منظر میں امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ اموی کی سالاری میں اسلامی لشکر کی اولین کوشش، جیسے حدیث میں شہرِ قیصر پر اولین اسلامی لشکر کے غزوے سے تعبیر کیا گیا ہے، بہت معنی خیز اور حیرت انگیز ہے اور سب سے بڑھ کر اسی اولین غزوۂ روم کو نبوی بشارت و مغفرت کی ضمانت دی گئی ہے، جیسا کہ عمیر عنسی کی حدیث میں ہے۔ اس حدیث میں بھی دونوں مہماتِ اسلامی کا ذکر بلاحوالۂ رویا ہے: (۱) امت کے اولین بحری غزوے کے شرکا کی مغفرت ہوگئی، جس میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شریک تھیں اور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امیر البحری میں غالباً خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں واقع ہوا تھا۔ (۲) میری امت کا اولین لشکر، جو مدینۂ قیصر پر حملہ کرے گا، مغفور ومرحوم ہوگا اور جس میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شریک نہیں تھیں۔ امام بخاری کے تراجم ابواب اور صحیحین کی تمام روایات اور احادیث غزوۂ روم و بحری جہاد اس خاص حدیث کے معانی کی تصدیق کر رہی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حدیث بخاری: ۲۹۲۴ بہ روایت حضرت عمیر بن اسود عنسی کی شرح میں لکھا ہے کہ امام مہلبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیوں کہ وہ اولین سالار تھے، جنہوں نے بحری جہاد کی بنا ڈالی تھی اور ان کے فرزند یزید کے لیے بھی منقبت ہے کہ وہ اولین سالار تھے، جنہوں نے مدینۂ قیصر قسطنطنیہ پر اولین غزوہ کیا تھا۔

حدیث شریف میں اولین بحری جہاد و غزوے والوں کے لیے لفظ آیا ہے کہ انہوں نے واجب کرلیا۔ حافظ موصوف نے اس کی مختصر شرح یہ کی ہے کہ انہوں نے اک ایسا کام کیا، جس کی بنا پر جنت ان کے لیے واجب ہوگئی۔ای **فعلوا فعلاً وجبت لهم الجنة** اس لفظ اوجبوا کے بعض اور شواہد بعض احادیث نبوی میں ملتے ہیں اور ان کی وہی شروح شارحین کرام کے ہاں پائی جاتی ہے۔(۱۱)

مغفرتِ یزید بن معاویہ اموی کا مسئلہ

بعض تاریخی واقعات اور خلافتِ یزید کے تین خاص جرائم، شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ، واقعہ حرہ (مدینے پر حملہ) اور خانہ کعبہ پر سنگ باری کی بنا پر اور خاص الخاص حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی کربلا میں الم ناک شہادت کی بنا پر متعدد محدثین اور بہت سے علما و مؤرخین نے خلیفہ اموی یزید بن معاویہ کی مغفرت کا مسئلہ اٹھادیا اور اس کی متعدد تاویلات کرتے ہیں۔حافظ ابن حجرؒ نے امام مہلبؒ کے تبصرہ بر منقبتِ معاویہ و یزید پر حافظ ابن التینؒ اور امام ابن المنیرؒ شارحینِ بخاری کی تنقید و تعاقب کا ذکر کیا ہے، جس کا ماحصل الفاظِ ابن حجرؒ میں یہ ہے کہ خلیفہ یزید اپنی حرکات و جرائم کی بنا پر **مغفور لهم** کی بشارت کے عموم سے خارج ہوگئے تھے۔یہ خیال و فکر متعدد دوسرے شارحینِ حدیث اور علمائے اسلام کی بھی ہے، جن میں بعض بہت اہم ترین شخصیات، جیسے شاہ ولی اللہ وغیرہ داخل ہیں۔بہ ہر حال ان تمام تاویلات و توجیہات اور تشریحات سے سرِ دست بحث نہیں ہے کہ وہ ان کی اپنی خاص فکر پر مبنی ہیں۔ان کا صرف ایک الزامی جواب دیا جاسکتا ہے کہ **مغفور لهم** کا عموم اگر اہلِ مغفرت کے طبقے سے ہونے سے مشروط ہے تو یہ عام اہل ایمان کا بھی معاملہ ہے۔اگر اہلِ مغفرت میں ہیں تو مغفرت ہوگی۔حدیثِ نبوی اور خاص بشارت نبوی میں تو صرف اولین غزوہ مدینہ قیصر پر مغفرت کی ضمانت دی گئی ہے اور اس اولین غزوۂ روم کے سالار یزید تھے اور اس عموم مغفرت میں نہ صرف شامل تھے، بل کہ اس کا اصل، مصداق جس طرح ان کے لشکرِ اسلامی کے تمام شرکا بہ شمول صحابہ کرام مغفرت کی ضمانت رکھتے تھے۔یہ خاص ضمانت نبوی ہے اور پختہ ہے۔

خاتمہ بالخیر

اولین بحری جہاد اور اولین غزوہ روم دونوں تاریخی واقعات کا اولین حوالہ نبوی رویائے

صالحہ میں آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے ہفتہ واری معمول وسنت کے مطابق حضرت ام حرام بنت ملحان خزرجی رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام فرمایا۔ وہاں کھانا تناول کیا اور قیلولہ کیا اور اس کے دوران دو رویائے صالحہ یکے بعد دیگرے دیکھے اور ان میں سے ہر ایک رویائے صالحہ کا ذکر فرمایا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی التجا پر ان کی شمولیت جہاد کی دعا کی اور واضح فرمایا کہ وہ اولین بحری جہاد میں تو شریک ہوں گی، مگر دوسرے جہاد اور اولین غزوۂ روم میں شریک نہ ہوں گی۔ ان دونوں کے شرکا و مجاہدین کی مغفرت کی بھی آپ ﷺ نے بشارت دی۔

اصلاً یہ حدیث موطا امام مالک کی ہے، جو امام مالک ہی سے بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں آتی ہے۔ دوسرے امامانِ حدیث نے اپنی اسناد اور خاص شیوخ سے اس کے دوسرے سیاقات بھی مختلف کتب وابواب میں پیش کیے ہیں، خاص کر امام بخاری نے، بہ قول شاہ ولی اللہ دہلوی اور شنقیطی وغیرہ متاخر محدثین کرام موطا امام مالک کو اپنا اصل ماخذ بنا کر اس کی احادیث وروایات نقل کرتے ہیں۔ مراسیل کو مرفوعات میں تبدیل کرتے ہیں اور دوسرے متعدد کام کرتے ہیں، جن سے ماخذ اصلی کی توثیق وتصدیق کرنا ہی ان کا مقصود ہوتا ہے۔ ان تمام مرویات میں لفظی اختلافات ضرور ہیں، لیکن معنوی اختلافات نہیں ہے۔ البتہ نئی روایات بخاری ومسلم اصل حدیث کی جہات کو وسیع کرتی ہیں۔

معنوی اطلاق کے لحاظ سے اس وحی الٰہی ۔ وحی حدیث ۔ پرمبنی احادیث غزوۂ روم کی ایک خاص اہمیت ہے اور وہ یہ ہے کہ اموی خلافت کے زمانے میں غزوات جہاد اسلامی تھے۔ بالخصوص غزوات بحری اور رومی کو جہاد فی سبیل اللہ اور ان میں شریک ہونے والوں کو غازیانِ راہِ الٰہی قرار دے کر ان کی مغفرت کی بشارت وضمانت دی گئی ہے اور وہ خاص وحی الٰہی پرمبنی ہے، لہٰذا ان اولین بحری ورومی غزوات کے شرکا اور سالاروں کی مغفرت ہوگئی اور وہ زبان رسالت مآب ﷺ سے "مغفور لھم" ہیں۔ یعنی ان کی مغفرت کی صرف بشارت ہی نہیں ہے، بل کہ اس کی ضمانت ہے اور وہ مغفرت ہوگی کے سیاق سے زیادہ مغفرت ہوگئی کا سیاق رکھتی ہے۔

علما و مؤرخین اور محدثین کے ایک خاص فکر وخیال کے حامل طبقے کو غزوۂ روم میں مغفرت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی ضمانت نبوی پر اعتراض ہے اور وہ طرح طرح کی تاویلات کرتے ہیں جو حدیث شریف اور ضمانت نبوی کے خلاف ہیں۔ ایسی بعض تاویلات وآرا عہد نبوی میں بھی

ملتی ہیں۔ جب کسی شخص نے صرف رسول اکرم ﷺ اور اپنے لیے رحمتِ الٰہی کو خاص کر دیا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس پر سختی سے نکیر کی تھی کہ تم نے رحمتِ الٰہی کو محدود کر دیا۔ یہی جذبہ وفکر اس طبقے کو غزوۂ روم کے شرکا میں سے بعض کی مغفرت بے کراں سے خارج کرنے اور حدیث کی مخالفت کرنے پر اکساتا ہے۔ غزوۂ شہر قیصر کے سالار اموی کے تمام جرائم تسلیم بھی کر لیے جائیں، تب بھی وہ اہل ایمان واسلام میں تھے۔ مرتکب کبائر کے دوزخی ہونے کا تصور تو خارجی فکر پر مبنی ہے۔

حوالے

۱۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ وحی حدیث۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی ۲۰۰۴ء: اموی خلافت سے متعلق رویائے نبوی، ص ۱۰۱۔ ۱۱۰، بخاری۔ الجامع الصحیح / ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری۔ مکتبہ دار السلام، ریاض ۱۹۹۷ء: مختلف کتب وابواب، نیز صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث

۲۔ مفصل بحث اور بیاناتِ محدثین کے لیے ملاحظہ ہو: خاک سار کی کتاب ''شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث'' پھلت ۲۰۰۴ء، مقدمہ: ۱۸ و مابعد بالخصوص ۳۵، مصفی معہ مسوی، مکتبہ رحیمیہ، دہلی ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷ھ: ص ۹۔ ۱۱، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ سلفیہ، طباعت لاہور: ج ۱، ص ۱۳ و مابعد، حضرت شاہ نے مسوی میں لکھا ہے: ''واعلم ایضا ان الکتب المصنفۃ فی السنن کصحیح مسلم، وسنن أبی داؤد و النسائی، وما یتعلق بالفقہ من صحیح البخاری وجامع الترمذی مستخرجات علی المؤطا تحوم حومہ، وتروم رومہ، مطمح نظرہم فیہا وصل ما ارسلہ، ورفع ما وقفہ، واستدراک ما فاتہ، وذکر المتابعات والشواہد لما اسندہ، واحاطۃ جوانب الکلم بذکر ماروی خلافہ......

۳۔ مسلم۔ الجامع الصحیح: کتاب الامارۃ، باب فضل الغزو فی البحر، حدیث (۴۹۳۴) ۱۶۰۔ (۱۹۱۲) بھی امام مالک کی روایت ہے، جو امام مسلم کے شیخ یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک سے پڑھی تھی: قرأت علی مالک عن اسحاق الخ

۴۔ شاہ ولی اللہ۔ مصفی، المسوی۔ کتب خانہ رحیمیہ، دہلی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء: ج ۲، ص ۲۶۶۔ اوپر حاشیۂ مصفی میں المسوی کی تعلیق کا نمبر ہے، جس میں حضرت شاہؒ نے صرف ''تفلی'' ''ثبج'' اور ''الاسرۃ'' کے لغوی معنی بتائے ہیں۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: کتابِ خاک سار، ''شاہ ولی اللہ کی خدماتِ حدیث''، مذکورہ بالا، نیز بحث متون ومعانی جو آگے آتی ہے۔

۵۔ مصفی: ج ۲، ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، یہ کتاب پوری کی پوری صرف اول ''باب اسماء النبی ﷺ'' کے سوا

صرف حضرت شاہ کے نسخۂ سمودی میں ہے، مفصل بحث کے لئے: شاہ ولی اللہ کی خدماتِ حدیث، ۱۰۹-۱۳۴، اور مقالہ خاک سار

٦۔ بخاری: کتاب التہجد، ۳٦۔ باب صلاۃ النوافل جماعۃ۔ فتح الباری: ج ۳، ص ص ۷۸-۸۱، وحی حدیث: ۱۰٦، ۱۰۷، یہ تمام معانی یا معنوی جہاتِ حدیث بخاری ہیں، جو ان کے تمام مجموعوں کے حوالے سے الگ الگ بیان کیے گئے ہیں۔

۷۔ نووی۔ المنہاج، شرح صحیح مسلم۔ دمشق ۱۹۹۸ء: ج ۵، ص ۵۱، اس کے بعض اقتباسات اور حوالے آگے آتے ہیں، وحی حدیث: ۱۰۲ و مابعد

۸۔ نیز ابن العربی مالکی۔ عارضۃ الاحوذی، بیروت ۱۹۹۵ء: باب رکوب البحر: ج ۷، ص ۱۴٦، ۱۵۰، وحی حدیث

۹۔ محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی۔ معجم اصطلاحات حدیث۔ ترجمہ سہیل حسن۔ دار الکتب السلفیہ، دہلی ۲۰۰۴ء بہ حوالہ مقلد: ۳۹۵، ۳۹٦ اور معجم ۱٦۱ روایت الحدیث بالمعنی کی مختصر تعریف وتشریح کی ہے۔ اس کے مطابق ''احادیث کو بالمعنی روایت کرنے میں علمائے سلف کا اختلاف ہے، بعض انکار کرتے ہیں اور کچھ جواز کے قائل ہیں، جواز کے قائلین چند شرطیں لگاتے ہیں، زبانی روایت میں تو اس کی اجازت ہے، مگر کتاب کی عبارت میں جائز نہیں''۔

۱۰۔ خاک سار کی زیر طبع کتاب: اموی خلافت۔ خلافت اسلامی کا دوسرا دور۔ مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن سے شائع ہونے والی ہے۔ غزوات رومی پر خاص باب بہ حوالہ طبری، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ متعدد مآخذ تاریخ اسلامی، ابواب خلافت معاویہ و اموی خلفا۔

۱۱۔ فتح الباری: ج ٦، ص ۱۲۵، ۱۲٦۔ حضرت عمیر بن اسود عنسی کی سوانح مختصر بھی موجود ہے، اس کے مطابق وہ شامی عابد اور مخضرم تھے اور اپنی پاک بازی، طہارت وتقویٰ کے لیے معروف تھے۔ حدیث مذکورہ بالا میں ان کی سماعت وملاقات کا ذکر خود موجود ہے۔